اداریہ

مولانا عصر حاضر کی اہم ضرورت

دور حاضر درحقیقت فکری بیداری اور اطلاعات و آگہی کا دور ہے اور اطلاعاتی وسائل میں حاصل شدہ غیر معمولی ترقی کی وجہ سے دنیا ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہوچکی ہے۔ اگرچہ دنیائے معاصر اور مولانا کے دور کے درمیان ایک طویل المدت فاصلہ جایاتا ہے لیکن قدرے غور وفکر سے دیکھا جائے تو اس زمانے میں مولانا کی تعلیمات کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ مولانا جلال الدین محمد بلخی (۱۲۰۷ تا ۱۲۷۳ء) دنیائے اسلام کے ان عظیم المرتبت اور نامور عارفوں میں سے ایک ہیں جس نے فارسی و اسلامی ثقافت کو غنی تر بناتے ہوئے عرفان وتصوف کی مقبولیت و ترقی میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں ایک نمایاں عالم دین تھے لیکن جس چیز نے انھیں ایک یادگاری شخصیت میں تبدیل کردیا اور جو ان کی زندگی میں نمایاں تبدیلیوں کا سبب بن گئی، وہ شمس تبریزی سے ان کی ملاقات ہے، جس کے بعد ان کی زندگی کے دوسرے دور کی شروعات ہوتی ہے جو ان کی سابقہ حیات سے بالکل مختلف ہے۔ مولانا اور شمس کے درمیان ہونے والی ابتدائی گفتگو کے سلسلے میں مختلف النوع روایات پائی جاتی ہیں لیکن ان منقولات میں ایک بات مشترک دکھائی دیتی ہے کہ اس ملاقات نے مولانا کے دل میں ''طلب و چاہت'' کو پوری طرح بیدار کردیا اور وہ درک و ادراک اور تبدیلی و دگرگونی میں سرگرم ہوگئے۔

مولانا روم میں طلب و چاہت کا احساس پہلے بھی موجود تھا اور وہ علم و دانش اور خوبیوں و نیکیوں کے مشتاق پہلے بھی تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے وجود میں ایسی تبدیلیوں کا امکان ہی نہیں تھا لیکن اس ملاقات نے ان کے وجود میں دوسرے قسم کی طلب کی آگ بھڑکا دی۔ ان کی زندگی غیر متوقع حالات سے ہمکنار ہوگئی۔ عشق وطلب کی اس آگ نے نہ صرف ان کے وجود کو ہلاکر رکھ دیا بلکہ ان کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب برپا ہوگیا۔ ان کی یہ عاشقانہ تڑپ ذہنی اور فضل مآبانہ نہ تھی بلکہ اس کا تعلق مولانا کے وجود کی گہرائیوں سے تھا۔ چنانچہ خود مولانا نے ''دیوان شمس کبیر'' میں اکثر و بیشتر ان منقلب حالات کو شعر کے قالب میں بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ بیان فرماتے

ہیں کہ کس طرح انھوں نے اس عارفانہ ٹکراؤ کے بعد اپنے تمام بتوں کو توڑ کر پھینک دیا۔ کہتے ہیں کہ مولانا کے مریدوں اور شاگردوں میں اس تبدیلی کو تحمل کرنے کی تاب نہ تھی چنانچہ ان لوگوں نے مولانا کی بازیابی کی خاطر شمس پر طرح طرح کے مظالم بھی کیے لیکن ایسا نہ ہوا۔ حضرت مولانا بھی اپنے تمام مریدوں اور شاگردوں کی اس بات سے متفق تھے کہ شمس سے ملاقات کے بعد اب وہ اپنی سابقہ زندگی کی تمام چیزوں سے محروم ہو چکے ہیں اور ان کے پاس ''طلب و چاہت'' کے علاوہ کوئی دوسری پونجی باقی نہیں رہ گئی ہے لیکن مولانا کے مریدوں اور شاگردوں سے اپنے پیر و استاد کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ان لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں تھا کہ فقر وجودی کا حصول خود آگاہی کا ایک اہم مرحلہ ہے اور جب تک کوئی اس وادی میں قدم نہیں رکھتا ہے وہ خود اپنی ذات سے آگاہانہ قربت و آگہی نہیں حاصل کر پاتا ہے۔ جب تک آدمی میں احساس طلب نہیں ہوتا وہ سرگردانی نہیں کرتا ہے اور انھیں اس وقت زندگی حاصل ہوتی ہے جب وہ کافی حد تک مردہ ہو جاتے ہیں لہٰذا یہ مولانا کا حق تھا کہ مستانوں کی طرح یہ آواز بلند کریں:

شرط روز بعث، اول مردنست	زانک بعث از مردہ زندہ کردن است
جملہ عالم زین غلط کردند راہ	کز عدم ترسند و آن آمد پناہ
از کجا جوئیم علم از ترک علم	از کجا جوئیم سلم از ترک سلم
از کجا جوئیم ہست از ترک ہست	از کجا جوئیم دست از ترک دست

درحقیقت ''مثنوی معنوی'' مولانا کی زندگی کے دوسرے دور کا عظیم الشان و بیش قیمت مکتوب سرمایہ ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو مثنوی معنوی سے بھرپور فائدہ حاصل کرنا چاہیے جو اپنی عظمت و افادیت کی وجہ سے ''قرآن فارسی'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔ مولانا اپنی اس عظیم پونجی اور گرانقدر ادبی شاہکار کے سلسلے میں بڑی وضاحت کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں:

مثنوی دکان فقر است ای پسر!	ہر دکانی راست سودای دگر

دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مثنوی کا اصلی اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس کے فقر وجودی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ''طلب اور تڑپ'' کو اس کی بنیادی ضرورت بنادیا جائے۔ اگر ایسا اتفاق و حادثہ رونما ہو جائے تو ہم لوگوں کو حقیقی تبدیلی و دگرگونی کا راستہ حاصل ہو جائے گا، جیسے شمس کے دیدار کے فوراً بعد مولانا اسی راہ پر گامزن ہو گئے اور دنیا کی سابقہ چیزوں سے ان کا کوئی

لگاؤ باقی نہ رہ گیا۔

ہم لوگوں کو اس بات کا اعتراف کرلینا چاہئے کہ مولانا کا احترام، حق کی حقیقت کا احترام اور قرآن و انسان کا احترام ہے اور مولانا کی حق گوئی وحق شناسی نے مشرق ومغرب کو اپنی بیداری و آگہی کی برکتوں اور نعمتوں سے مالا مال کردیا ہے اور دنیا کے کسی دوسرے شاعر میں ایسا جذب و حال، جوش و ولولہ، موثر مواعظ اور متحرک معارف دکھائی نہیں دیتے۔ ان کی تصانیف کا دور حاضر کے ادب سے گہرا لگاؤ ہے۔ اور ان کی زبان اپنے دور میں ہی نہیں بلکہ عصر حاضر میں بھی نوآوری کی مثال ہے، چنانچہ آج ان کی وفات کے بعد صدیاں گزر چکی ہیں پھر بھی ان کا کلام اسی ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے اور اس میں نئے معانی و مفاہیم کی کثرت دکھائی دیتی ہے اور طویل مدت گزر جانے کے بعد کلام کی افادیت، مقبولیت اور تاثیر میں ذرہ برابر کمی و مرجھاہٹ نظر نہیں آتی ہے اور بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے فکر و خیال، زندگی و موت، تدبیر منزل، شناخت حقیقت و واقعیت اور انسانی جذبات کی نیرنگی و رعنائی کا جلوہ آج بھی ان کی مثنوی میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس کتاب میں مندرج خالص جادوئی اشعار آج بھی انسانی فکر کی حیرت انگیز تجلیات کا مظہر ہیں بلکہ اگر ان کے کلام کو عظیم الشان منظوم عرفانی شاہکار ادب کا درجہ عطا کیا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ جدت و نوآوری آج بھی ان کے کلام کے بحر بیکراں میں غوطہ لگا رہی ہے۔ مولانا ارشاد فرماتے ہیں:

باز آمدم چون عید نو، تا قفل زندان بشکنم　　وین چرخ مردم خوار را چنگال و دندان بشکنم

یعنی میں نئی عید کی طرح پھر آ گیا تاکہ زندان میں لگے ہوئے قفل کو توڑ ڈالوں اور انسانوں کو نگل جانے والے اس آسمان کے دانتوں اور پنجوں کو توڑ کر پھینک دوں۔ بعبارت دیگر اس نئی عید کی آمد کے موقع پر بے گناہ قیدیوں کو آزادی حاصل ہوجائے اور تباہی و بربادی و نابودی کے کنارے پر کھڑی ہوئی دنیائے بشریت قتل عام سے محفوظ ہوجائے۔

مولانا انسانیت کا افتخار ہیں اور بین الاقوامی دانشور اپنی ذات کو ان سے منسوب قرار دیتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور ان کو ایک نئی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی تصانیف کو حق کی تلاش وتحقیق میں اہم وسیلہ قرار دیتے ہیں اور انھیں غیر معمولی طور پر معاون روزگار قرار دیتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مولانا انسانی وجدان وضمیر کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور اپنی تعلیمات میں وہ فقط انسان پر نگاہ رکھتے ہیں اور ہمیشہ انسانی روابط اور تعلقات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں

اور انسان کی آزادی و سعادت کو ہمت اور حوصلے کا باعث قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے فارسی کے علاوہ دنیا کی کسی دوسری زبان میں ایک شعر بھی نہیں لکھا اور اپنے ہر خیال کے اظہار کے لئے انھوں نے فارسی کو ہی معیاری زبان کی حیثیت سے استعمال کیا پھر بھی ان کے کلام کی شہرت و مقبولیت ساری دنیا پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی فکر کا چرچا آج ہر جگہ دکھائی دیتا ہے۔ مولانا روم نے انسانی زندگی اور اس سے وابستہ معنوی معارف کو جس انداز سے دیکھا ہے وہ موجودہ زمانہ میں انسانیت اور انسانی مسائل سے جڑے ہوئے سوالوں کا مناسب جواب فراہم کرنے میں بہت معاون مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ دنیا میں ہماری ثقافت کا بہترین نمونہ اور انسان کی معنویت کے لئے ایک بہترین ہدیۂ الٰہی کی حیثیت سے ہمیشہ مشہور رہیں گے اور فارسی زبان، جس نے مولانا کے اعلیٰ افکار کو دنیا کے ہر گوشے میں مقبول بنا رکھا ہے۔ ہم لوگوں کو ہمیشہ سربلندی سے مالا مال رکھے گی۔

درحقیقت اگر دنیا کے نامور دانشور اور مفکرین گرانقدر مولانا روم کے بارے میں عظمت اور شیفتگی کا اظہار کر رہے ہیں تو اس کا واحد سبب مولانا کی انسان دوستی اور بشریت سے ان کا اٹوٹ اور گہرا عشق ہے اور ان کا یہ عشق الوہیت کی طرف انسان کی پرواز کی زمین ہموار کر دیتا ہے۔ مولانا انسانی جسم اور روح کا نفسیاتی مطالعہ کرتے ہوئے بلیغ و عمیق افکار و عقائد کو عشقیہ و عرفانی اشعار کے قالب میں نہایت موثر انداز میں پیش کر دیتے ہیں۔ وہ دعا و نیایش کے شاعر ہیں، اور ان کا دیوان ایسے اشعار کا خزانہ ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ ان کا مجموعہ کلام ایرانی قومی ثقافت اور اسلامی افکار و عقائد پر منحصر ہے اور اس میں عالمی انسانی برادری کی باعظمت قدروں کو سربلندی جیسی صفت پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کی ادبی تخلیقات مختلف تعلیمی اور فکری پہلوؤں کی حامل ہیں۔ ان کے اشعار میں جغرافیائی سرحدوں کو توڑ دینے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور ان کی بات پرانی نہیں ہوتی ہے بلکہ عصر جدید کے انسانی معاشرہ میں موجود گڑبڑی اور دہشت گردی کی وجہ سے لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں حقیقی عرفان و معنویت کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان کے دیوان کا مطالعہ صلح و آشتی اور سکون و اطمینان کا باعث بن جائے اور لوگ مادی مفاد و مصالح سے نجات حاصل کرلیں۔ مولانا نے تعلیم و تعلم اور معرفت شناسی کے بنیادی اصولوں کو نہایت باریک بینی کے ساتھ پیش کیا ہے اور ان میں سے ہر موضوع کا مکمل و مفصل مطالعہ تمام معلمین و متعلمین اور اساتذہ و شاگردوں کی زندگی کے ہر شعبے میں ترقی اور سربلندی کا باعث ہوسکتا ہے۔

یہ سوال کرنا کہ مولانا کہاں کے رہنے والے تھے اور ان کا تعلق کس سرزمین یا فرہنگ و ثقافت سے ہے بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ یہ باتیں ایسے ناقابل تردید حقائق پر مبنی ہیں جن کو ہرگز تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا شہر بلخ میں پیدا ہوئے جو اس زمانے میں خراسان بزرگ کا ایک حصہ تھا اور اس کا کچھ حصہ ایران میں بھی شامل تھا لیکن اس وقت یہ شہر افغانستان میں واقع ہے۔ مولانا نے حفاظت و سلامتی کے فقدان کی وجہ سے بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ حجاز، دمشق اور شام کا سفر اختیار کیا اور آخری مرحلہ میں وہ ترکی کے قونیہ شہر میں مقیم ہوگئے اور عمر کے آخری ایام تک اسی علاقے میں زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کی ادبی تخلیقات اسی علاقے میں زیور وجود سے آراستہ ہوئیں اور ان کی مزار بھی اسی شہر میں ان کے عاشقوں کی زیارت گاہ کا درجہ رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی جملہ تخلیقات فارسی زبان میں ہیں اور اگر انھوں نے کوئی شعر عربی زبان میں لکھا ہے تو وہ ان کے فارسی کلام کا ایک اہم جز ہے اور یا ان کی غزل میں شامل ہے یا مثنوی معنوی میں۔ ترکی ہو یا کوئی دوسرا اسلامی ملک اگر کوئی شخص مولانا کی حیات و خدمات کا تنقیدی مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو بہرحال فارسی ضرور سیکھنی پڑے گی کیونکہ فارسی کے بغیر مولانا روم یا ان کے کلام کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا قونیہ میں زندگی بسر کر رہے تھے لیکن انھوں نے اپنے تمام اشعار فارسی زبان میں لکھے ہیں اور وہ فارسی زبان میں نہ صرف اپنے اشعار نظم کرتے تھے بلکہ وہ اچھی آواز اور دلکش ترنم کے ساتھ اپنے اردگرد جمع لوگوں کو فارسی زبان میں اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔

درحقیقت مولانا سفر قونیہ کے دوران عظیم معنوی اور عرفانی ثقافت کو فارسی زبان کے کندھوں پر رکھ کر سب سے پہلے قونیہ لے گئے اور اس علاقے میں فارسی زبان و فرہنگ کی ترویج کا کارنامہ انجام دیا۔ سبھی لوگ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ سرزمین ایران قدیم دنیا کی اکثر ثقافتوں اور تہذیبوں کی مادری سرزمین ہوا کرتی تھی، جو موجودہ ایران کی سرحدوں سے باہر ہیں۔ یہ ایک حسین و فطری حقیقت ہے کہ بلخ اور قونیہ دونوں مولانا سے اپنا تعلق برقرار رکھیں اور ان کی یادگار مناتے رہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ نہ صرف ایرانی و خراسانی اور اسلامی تمدن بلکہ انسانی تمدن بھی مولانا کو خود سے وابستہ رکھے۔ سچ تو یہ ہے کہ مختلف تعصبات اور تنگ نظری سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے حق بین نگاہوں سے دیکھا جائے تو مولانا ایک ایسی آواز کا نام ہے جو دنیا کے جس علاقے میں اچھی

طرح سنائی دے اسی علاقے کی آواز ہے۔ مثلاً اگر افریقہ کے جنگلوں یا سائبیریا کے ریگستانوں یا لاتینی و شمالی امریکہ کے علاقوں میں یا دور افتادہ جزیروں اور لامحدود سمندروں کی سطح پر زندگی بسر کرنے والے لوگوں کو مولانا کی آواز ہم ایرانیوں سے زیادہ اچھے طریقے سے سنائی دے رہی ہے اور وہ لوگ مولانا کی باتوں کو ہم لوگوں سے بہتر سمجھ رہے ہیں تو باطنی اور روحانی اعتبار سے مولوی کا تعلق ہمارے مقابلے میں ان لوگوں سے زیادہ ہوگا۔ مولانا کی میراث حرف وصوت نہیں بلکہ ایک ایسی آواز ہے جو پیغام کی حامل ہے جس کا اس دل وگوش سے گہرا اور مضبوط تعلق ہے جو اس آواز کو غور سے سنتا اور بہتر طریقے سے سمجھتا ہے۔ اگر ہم لوگ مولانا کو دوسروں کے مقابلے میں خود سے زیادہ متعلق مانتے ہیں تو ہم لوگوں کو مولانا کے پیغام کو دوسروں سے زیادہ سننا چاہئے اور ان کی آواز کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کی کوشش بھی کرنی چاہئے۔ مولانا روم سے منسوب فصل نامہ راہ سلام کا یہ خصوصی شمارہ برصغیر ہندوستان کے وسیع علاقے میں آباد لوگوں کے کانوں تک مولانا کی آواز کو پہنچانے کی راہ میں ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ خداوند عالم کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ مولانا کے قلب میں طلب وتڑپ کے بھڑکتے ہوئے شعلے کی چنگاری سے ہمارے دلوں کو بھی منور کردے گا اور ہم لوگ بھی اسی طلب وتڑپ کی راہ پر گامزن ہوجائیں گے۔ والسلام